حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں قانونی تنظیم!

ڈاکٹر ساجد خاکوانی

اسلام آباد

دنیا کی تاریخ بادشاہوں کے تذکروں سے بھری پڑی ہے۔ ایک سے ایک قابل اور ایک سے بڑھ کر ایک نااہل ترین حکمرانوں نے اس دنیا کی تاریخ میں اپنے نام کھرچے، لیکن گنتی کے چند حکمران گزرے ہیں جو بذاتِ خود قانون ساز تھے اور انہوں نے صرف حکمرانی ہی نہیں کی، بلکہ انسانیت کو جہاں قانون سازی کے طریقے بتائے، وہاں قوانینِ حکمرانی و جہانبانی بھی بنائے۔ ایسے حکمران انسانیت کا اثاثہ تھے۔ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خلیفہ ثانی اُنہی حکمرانوں میں سے ہیں، جنہوں نے عالم انسانیت کو وحیِ الٰہی کے مطابق قوانین بنا کر دیئے اور قانون سازی کے طریقے بھی تعلیم کیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ: ''میرے بعد اگر کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ہوتا۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کو سچ کر دکھایا اور حدود اللہ سے لے کر انتظامِ سلطنت تک میں اس طرح کی قانون سازی کی کہ آج اکیسویں صدی کی دہلیز پر بھی سائنس اور ٹیکنالوجی اور علوم و معارف کی دنیاؤں میں آپؓ کے بنائے ہوئے قوانین ''عمر لا (Umar Law)'' کے ہی نام سے رائج و نافذ ہیں اور عالمِ انسانیت تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیض عام پہنچ رہا ہے۔

دنیا کے دیگر بادشاہوں نے جو کچھ بھی قانون بنائے وہ اپنی ذات، نسل، خاندان یا اپنی قوم و ملک کے مفادات کے تحفظ کے لیے بنائے، جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بنائے ہوئے قوانین میں خالصتاً شریعتِ اسلامیہ کے فراہم کیے ہوئے اصول و مبادی شامل تھے۔ باقی بادشاہوں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قانون سازی میں ایک اور بنیادی فرق یہ بھی ہے کہ باقی بادشاہوں کے قوانین ایک دفعہ بننے کے بعد ان بادشاہوں کی اَنا کا مسئلہ بن جاتے، اور کوئی بادشاہ بھی ان قوانین میں تبدیلی کو اپنی اَنا و خودی کی تذلیل سمجھتا، جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب بھی اپنی قانون سازی کے برخلاف کوئی نص میسر آتی تو آپ فوراً رجوع کر لیتے اور

کبھی بھی اپنی اَنا کے خول میں گرفتار نہ ہوتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک تمام اسلامی مکاتبِ فکر میں آپ کے فیصلوں کو قانونی نظیر کی حیثیت حاصل رہی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قانون سازی کا سب سے پہلا اصول کتاب اللہ سے استفادہ تھا۔ آپؓ نے اپنے دورِ حکمرانی میں متعدد گورنروں کو جو خطوط لکھے، ان میں سب سے پہلے قرآن مجید سے استفادہ کا حکم لکھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قرآن فہمی کی سب سے عمدہ مثال ایران وعراق کی مفتوحہ زمینوں کے بارے میں آپ کا اجتہادی فیصلہ تھا۔ معروف طریقے کے مطابق ان زمینوں پر مجاہدین کا حق تھا کہ ان میں یہ زمینیں تقسیم کردی جاتیں، لیکن اگر مجاہدین بیلوں کی دم تھام لیتے اور زمینوں کی آبادکاری پر جت جاتے تو دنیا میں اقامتِ دین اور اعلائے کلمۃ اللہ کے ذریعے شہادتِ حق کا فریضہ پس پشت چلا جاتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دوربین نگاہوں نے اس کا حل قرآن مجید کے اندر سورۂ حشر کی ان آیات میں تلاش کرلیا:

’’وَ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّ لَا رِكَابٍ وَّ لٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ وَ مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا وَّ يَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ الْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَ لَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَ مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ وَ الَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَ لَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ‘‘ (المائدۃ:۶-۱۰)

ترجمہ: ’’جو کچھ اللہ تعالیٰ نے (اس طور پر) اپنے رسول کو دوسری بستیوں کے (کافر) لوگوں سے دلوادے (جیسے فدک اور ایک حصہ خیبر کا) سو وہ (بھی) اللہ کا حق ہے اور رسول کا اور (آپ کے) قرابت داروں کا اور یتیموں کا اور غریبوں کا اور مسافروں کا، تاکہ وہ (مالِ فئے) تمہارے تونگروں کے قبضے میں نہ آجاوے۔ اور رسول تم کو جو کچھ دے دیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس چیز (کے لینے) سے تم کو روک دیں (اور بعموم الفاظ یہی حکم ہے افعال اور احکام میں بھی) تم رک جایا کرو اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ تعالیٰ (مخالفت کرنے پر) سخت سزا دینے والا ہے۔ اور ان حاجت مند مہاجرین کا (بالخصوص) حق ہے جو اپنے گھروں سے اور اپنے

مالوں سے (جبراً وظلماً) جدا کر دیے گئے، وہ اللہ تعالیٰ کے فضل (یعنی جنت) اور رضامندی کے طالب ہیں۔ اور وہ اللہ اور رسول (کے دین) کی مدد کرتے ہیں (اور) یہی لوگ (ایمان) کے سچے ہیں۔ اور (نیز) ان لوگوں کا (بھی حق ہے) جو دار الاسلام (یعنی مدینہ) میں ان (مہاجرین) کے (آنے کے) قبل سے قرار پکڑے ہوئے ہیں جو ان کے پاس ہجرت کر کے آتا ہے، اس سے یہ لوگ محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ ملتا ہے اس سے یہ (انصار) اپنے دلوں میں کوئی رشک نہیں پاتے اور اپنے سے مقدم رکھتے ہیں، اگرچہ ان پر فاقہ ہی ہو اور (واقعی) جو شخص اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھا جاوے ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اور ان لوگوں کا (بھی اس مالِ فئے میں حق ہے) جو اُن کے بعد آئے جو (ان مذکورین کے حق میں) دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو (بھی) جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ ہونے دیجئے، اے ہمارے رب! آپ بڑے شفیق رحیم ہیں۔ ''

پس ان آیات سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بڑی باریک بینی سے استنباطِ قانون کیا اور جسے مالِ غنیمت یعنی جنگ کے نتیجے میں حاصل ہونے والا مال سمجھا جا رہا تھا اور جس کی تقسیم کے لیے امیر المومنین پر بہت زیادہ دباؤ تھا، آپؓ نے اسے مذکورہ نصِ قرآنی سے ''مالِ فے'' یعنی بغیر لڑائی کے حاصل ہونے والا مال ثابت کیا اور قرآن کے مطابق اس مال میں چونکہ بعد میں آنے والوں کا حصہ بھی شامل ہے، اس لیے مجاہدین میں تقسیم کرنے سے انکار کر دیا۔

شریعتِ اسلامیہ میں کتاب اللہ کے بعد دوسرا سب سے بڑا ماخذ و قانون سنتِ رسول اللہ ﷺ ہے۔ کم و بیش دس سالہ مدتِ اقتدار میں متعدد بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حدیث نبوی ﷺ کے مل جانے پر اپنی رائے سے رجوع کر لیا تھا۔ اطاعتِ رسول ﷺ کی اس سے اور عمدہ مثال کوئی نہیں ہو سکتی۔ حضرت سعید بن مسیبؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر ﷺ نے ہاتھ کے انگوٹھے کی دیت پندرہ اونٹ مقرر کی تھی، جب کہ باقی انگلیوں کی مقدارِ دیت اس سے کم تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا موقف تھا کہ انگوٹھا چونکہ زیادہ کارآمد ہوتا ہے، اس لیے اس کی دیت بھی زیادہ ہونی چاہیے۔ لیکن جب عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے ہاں سے ایک تحریر دریافت ہوئی، جس میں آپ ﷺ کے حوالے سے نقل کیا گیا تھا کہ ہر انگلی کی دیت دس اونٹ ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بلا چوں و چرا اپنی اجتہادی و قیاسی رائے سے رجوع کر لیا اور حدیث نبوی ﷺ کے مطابق مقدمات کے فیصلے جاری فرمائے۔

اسی طرح جب شام کے علاقے میں طاعون کی وبا پھوٹ پڑی اور مسلمانوں کا ایک بہت بڑا لشکر حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی کمانداری میں وہاں موجود تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بن جراح کے درمیان ایک نزاع چل پڑی کہ لشکر کو قیام کا حکم دیا جائے یا خروج کا؟ ابھی یہ نزاع جاری تھی کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پیش کر دی کہ: ''جب تم سنو کہ فلاں علاقے میں وبا ہے تو تم وہاں نہ جاؤ اور اگر تمہارا قیام ایسے علاقے میں ہے جہاں وبا پھوٹ پڑی ہو تو وہاں سے مت بھاگو۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) سن کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور حکمِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق فیصلہ صادر فرمایا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں قبولیتِ حدیث کا معیار بھی بہت سخت تھا۔ ایک بار آپؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا، کافی دن گزر گئے تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ملاقات ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: میں نے آپ کو بلایا تھا تو آپ کیوں نہیں آئے؟ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں آیا تھا، تین بار دروازہ بجایا، آپ نہیں نکلے تو میں لوٹ آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وجہ پوچھی تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اپنے اس عمل کے جواز میں حدیثِ نبوی پیش کر دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو اس وقت تک قبول کرنے سے انکار کر دیا جب تک کہ کوئی گواہ نہ ہو، اس پر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو دو گواہ لانے پڑے۔

تعاملِ حدیث کے معاملے میں اپنی اولاد سے بھی رعایت نہیں کرتے تھے، ایک بار لختِ جگر نے کہا کہ مجھے تو کدو پسند نہیں ہے، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیٹے سے ناراض ہو گئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پسندیدہ سبزی کے بارے میں بیٹے نے ایسی رائے کیوں دی؟ پھر تین دن کی مدت ختم ہونے سے پہلے خود ہی ناراضگی ختم کر دی کہ تین دن سے زائد ناراضگی سے ایک حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں منع کیا گیا ہے۔

مشاورت کا طریقہ اجماعِ امت تک پہنچنے کا بہترین راستہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں حکومت کی کامیابی کی ایک بہت بڑی وجہ مشاورت بھی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مشاورت دو وجوہات سے جداگانہ تھی، ایک تو ہر چھوٹے بڑے معاملے میں اہل الرائے افراد کو جمع کر کے ان سے رائے لی جاتی۔ ایک اعلان کرنے والا دارالخلافہ کی گلیوں میں ''یاأیھاالجماعۃ'' کے اعلان کے ساتھ گھومتا چلا جاتا اور عمائدینِ ریاست مسجد میں جمع ہو جاتے۔ بہت چھوٹے چھوٹے معاملات بھی جن میں کہ حکمران کو صوابدیدی اختیارات حاصل ہوتے، ان میں بھی مشاورت کی جاتی اور نتیجے کے طور پر معاملات کے حل کی متعدد سورتیں سامنے آ جاتیں اور پھر اتفاقِ رائے یا کثرتِ رائے سے بہترین فیصلے تک پہنچ جایا جاتا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مشاورت کی دوسری اہم ترین خصوصیت یہ تھی کہ خلیفۂ وقت خود ایک رائے دہندہ کی حیثیت سے شریکِ مشورہ ہوتا تھا اور اپنی رائے کے برخلاف فیصلہ پر بھی تیوری نہ چڑھائی جاتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ رائے دینے والے خلیفہ کے رعب و دبدبے کے باوجود کھل کر اپنی رائے کا اظہار کرتے تھے، کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ امیر المومنین نہ صرف یہ کہ اپنی مخالفت پر خفگیں نہیں ہوں گے، بلکہ اچھا اور صائب مشورہ دینے پر حکمرانِ وقت اپنی رائے واپس بھی لے لے گا اور کسی طرح کی بدمزگی بھی پیدا نہیں ہوگی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس رویے نے ان کے دورِ حکومت کو چار چاند لگائے۔

دورِ فاروقی میں جب مے نوشی کے واقعات کثرت سے وقوع پذیر ہونے لگے تو اگرچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود کوئی بھی حکم دے کر اس کا سدِ باب کر سکتے تھے، لیکن انہوں نے صحابہ کبار رضی اللہ عنہم کو مشورے کے لیے بلا بھیجا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حالتِ مخمور میں ہزیان بکنے والے کے منہ سے بہتان تراشی کے اندیشے پر قیاس کرتے ہوئے حدِ قذف کے اِجراء کی سفارش کی۔ کل صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس رائے سے اتفاق کیا، جس سے شراب نوشی کی حد کو حدِ قذف سے ہی محدود کر دیا گیا، یعنی اسّی دُرّے۔ کل حدود اللہ کا تعلق نصِ قرآنی سے ہے، لیکن چونکہ اجماعِ صحابہؓ قرآن مجید کے برابر مانا جاتا ہے، کیونکہ قرآن مجید کی جمع و تدوین اجماعِ صحابہؓ کا ہی ثمرہ ہے، اس لیے اجماعِ صحابہؓ کے نتیجے میں شراب نوشی کی سزا کو بھی حدود اللہ میں شامل ہونے کا درجہ حاصل ہے۔

سلطنتِ ایران کے ساتھ جہاد کے وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شدید خواہش تھی کہ وہ خود اس جنگ کی قیادت کریں، اس لیے کہ شرق و غرب کے کل عساکرِ اسلامیہ اس جنگ میں جھونک دیے گئے تھے، ناکامی کی صورت میں زوالِ کلیہ کا مکروہ چہرہ دیکھنے کا امکان تھا، چنانچہ تاریخ کے اس نازک موڑ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود افواجِ اسلامیہ کی کمانداری کرنا چاہتے تھے، لیکن اس موقع پر بھی اجتماعی مشاورتی رائے کے سامنے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سپر ڈال دی، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے منع کیا تھا اور کہا تھا کہ مرکزِ خلافت کو کسی صورت خالی نہ چھوڑا جائے۔

ایک بار جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ رات کو گشت کر رہے تھے تو ایک گھر سے فراق کے نغموں کی نسوانی آواز آئی، اگلے دن تحقیق کی تو معلوم ہوا اس عورت کا شوہر محاذِ جنگ پر گیا تھا۔ آپؓ نے اپنی بیٹی ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے مشورہ کیا تو انہوں نے بتایا کہ شوہر کے بغیر چار ماہ تک عورت صبر کر سکتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی وقت یہ حکم جاری کیا کہ چار ماہ کے بعد ہر فوجی کو جبری رخصت پر گھر بھیجا جائے۔

مشاورت کا عمل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس قدر عزیز تھا کی آپؓ نے اپنے پورے دورِ حکومت میں

صحابہ کبار رضی اللہ عنہم اور عمائدینِ قریش کو دارالحکومت سے باہر کا سفر نہیں کرنے دیا، صرف حج کی اجازت تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے کا یہ فائدہ ہوا کہ صائب الرائے حضرات کی ایک معقول تعداد صباح ومساء آپؓ کے قریب موجود رہتی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ مشورہ دینے والے ہی حکمرانوں کو ڈبوتے بھی ہیں اور پار بھی لگاتے ہیں، پس اب یہ حکمران پر منحصر ہے کہ خوشامدیوں کو شریکِ مشورہ کرے اور قوم کی لٹیا ڈبودے یا نقادوں کے تند وتیز نشتروں کا سامنا کرے اور آسمانِ دنیا پر سورج اور چاند کی طرح جگمگائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ذاتی قیاس واجتہاد سے بھی قانون سازی کرتے تھے، لیکن اجتہاد کا یہ عمل قرآن و سنت اور اجماعِ صحابہؓ کی حدود کے اندر ہوتا تھا، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ذمیوں پر قابلِ برداشت ٹیکس عائد کیا اور جو ذمی بوڑھا ہوجاتا اور ٹیکس دینے کے قابل نہ رہتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سرکاری بیت المال سے اس کا وظیفہ بھی مقرر فرمادیتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پہلے مفقود الخبر شوہر کی منکوحہ کو اس وقت تک عقدِ ثانی کی اجازت نہ تھی جب تک کہ اس کے شوہر کے ہم عمر فوت نہ ہوجائیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی اجتہادی رائے سے ایسی عورت کے لیے چار سال کے انتظار کو کافی سمجھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اجتہادی رائے تھی جب بھوکے غلاموں نے اونٹنی چوری کرکے کھائی تو ان غلاموں کی حد ساقط کردی اور ان کے آقا سے دوگنا تاوان وصول کیا۔ حدود کا اجراء خالصتاً حاکمِ وقت کی ذمہ داری ہے، لیکن وسعتِ سلطنت کے باعث آپؓ نے اجتہاداً یہ اختیار اپنے نائبین کو تفویض کردیا تھا، سوائے ان حدود کے جن کی سزا میں زندگی کا خاتمہ شامل تھا۔

اسی طرح نومفتوحہ علاقوں میں حدود اللہ کے اجراء کو علم سے مشروط کردیا تھا، یعنی حدود سے لاعلم شخص پر حد جاری نہیں کی جاتی تھی۔ آپؓ نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ پہلے حدود اللہ کے بارے میں لوگوں کو بتاؤ اور اس کے بعد اگر کوئی ارتکابِ جرم کرتا ہے تو اس پر حد جاری کرو۔ ایک اور واقعہ میں یحییٰ بن حاطب کی آزاد کردہ لونڈی ''مرکوش'' لوگوں سے کہتی پھر رہی تھی کہ میں نے زنا کیا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مشورے سے کوڑوں کی سزا دی اور رجم نہیں کیا، کیونکہ اسے حدِ زنا کا علم نہیں تھا۔

امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے یہ اصولِ قانون سازی آج بھی زندہ ہیں اور لوگ آسمانِ رسالت کے اس چمکتے دمکتے ستارے سے آج بھی روشنی حاصل کررہے ہیں۔